اعلٰی حضرت کا منہج انقلاب

قبلہ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب

ادارہ تعلیمات اسلامیہ
خیابان سید سیکٹر ۳ راولپنڈی

بنیادی عقیدہ

- اللہ ہمارا رب ہے، اور منزّہ عن العیوب ہے۔
- محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور معصوم عن الخطا ہیں۔
- قرآن مجید خدا کی کتاب، ہمارا ضابطہ حیات اور بے عیب ہے۔

انسان خطاؤں اور لغزشوں کا پتلا ہے۔ اس حیثیت سے بہر حال یہ امکان رہتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے ---- دورانِ مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحتہً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقیدہ کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری متصور کرتے ہوئے قلم زد کر دیجئے ہم اپنی عزّت، مقام اور جھوٹی اَنا کے مقابلہ میں ایمان کو بہر صورت ترجیح دیتے ہیں۔

* * * * *

نوٹ (منجانب :۔ سائٹ ایڈمن)

محترم قارئین۔ اگر آپ کو کسی کتاب / مضمون میں کوئی ٹائپنگ کی لفظی غلطی نظر آئے تو برائے کرم ہمیں فوراً ای میل ایڈریس پر (کتاب / مضمون کا نام بمع صفحہ نمبر) مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ اللہ عزوجل ہمیں ہر خطا سے محفوظ فرمائے اور جو غلطی ہوئی اُسے معاف فرمائے۔ آمین

E-mail :- kamranis1@hotmail.com sheikh_2001@yahoo.com
kamran@shahjee.net

Website :- www.shahjee.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انقلاب انسانی زندگی کی معاشرتی ضرورت ہے۔ اور ہر دور بذات خود اس امر کا متقاضی رہا ہے کہ اس معاشرتی ضرورت کی تکمیل کے لئے کچھ ذہن متحرک ہوں تاکہ انسانی اعلیٰ قدریں جو شجر کی طرح نامیاتی وجود رکھتی ہیں کہیں سوکھ کر مر نہ جائیں۔ فطرت کا یہ مسلمہ اصول کہ انسانوں کی روحانی اور مادی ترقی و ارتقا عروج اور معراج کے لئے فعال روحانی الذہن لوگ ہمہ دم اپنی بہترین صلاحیتوں کی روشنی میں کام کرتے رہیں۔ تاریخ کے رگ و پے میں خون کی طرح متحرک رہیں۔ حسن کے اس آسمان پر انگنت ستارے درخشاں دکھائی دیتے ہیں۔ مہد فکرو نظران نور ماب موتیوں سے مالا مال دکھائی دیتی ہے۔ وجود کائنات اس آفاقی حقیقت کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ زمانہ خود جستجوئے انقلاب کے سر پر پھول نچھاور کر رہا ہے۔ وہ لوگ کتنے مقدس دکھائی دے رہے ہیں جو سماج کے تیرہ و تار شب و روز سے فردوس کشیدنے کی فکر میں ہیں ان لوگوں کے عزم و ہمت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے انقلابی کردار سے انسانیت کو عرفان ہستی عطا کرتے ہیں ان کی زندگی اصول ہوتی ہے ان کے اصول حسن ازل کی روشن کرنیں ہوتی ہیں وہ جس بستی میں ہوں نور رحمت ہوتے ہیں‘ ان کا عمل اور ان کی سیرت دہلیز آدمیت پر نئے جہاں پیدا کرتی ہے۔ البتہ ایسے عظیم لوگ پودوں کی طرح نہیں اگتے‘ زمانہ خاک چھانتا ہے تو پھر کوئی در شہوار ہاتھ لگتا ہے۔ نسیم طلب کی آفاق پیمائیاں نجانے کتنے چکر کاٹتی ہیں تو پھر حسن منزل کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ ہزاروں انسان آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں زمانہ انہیں تیوروں میں محفوظ کر لیتا ہے۔ تاریخ ان کے نام کی مالا جپتی ہے۔ دل انہیں اپنی دھڑکنوں میں آباد کر لیتے ہیں۔ روشنیاں انہیں مہر درخشاں بنا دیتی ہیں‘ ذہن ان کے ورد کرتے ہیں اور فطرت انہیں اتنا بھاری ابھار دیتی ہے کہ زندگی اور موت ہر دو سے ماروا وجود و موجود اور حاضر و شہود کے ہر افق سے ان کا حسن دیکھنے کے لئے جھانکا جا سکتا ہے۔ مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ بلاشبہ انہی عظیم انسانوں مین سے ایک جلیل القدر انسان تھے۔ مولانا یوں تو مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔۔۔ مقنن بھی تھے اور مفتی بھی تھے اور ادیب بھی۔۔۔ شاعر‘ خطیب‘ مورخ‘ نجانے قسام ازل نے انہیں کن کن خوبیوں سے نوازا تھا لیکن اس دور میں جبکہ انہیں زندگی کی تمام آسائشیں موجود ہیں لیکن انسان مسلسل کرب اور اضطراب کا شکار ہے‘ فکری صلاحیتیں منتشر ہیں‘ وثوق علم تک رسائی صبر اور مصابرہ ہر دو سے محروم ہے۔ اپنے آپ کو محفوظ بنانے کی حرص نے ہر ایک کو غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ قیادتیں بہت ہیں لیکن قیادت کا فقدان ہے۔ مفکرین ان گنت ہیں لیکن فکر عنقا ہے۔ علماریت کے ذروں کی طرح ہیں لیکن سدرۃ المنتہیٰ سے بھی جیسے ماوریٰ جا چکا ہے۔ ادعا اور دعویٰ جیسی ساری تاریکیاں اسی منحوس باورد کے پھٹنے سے پھیلی ہوں۔ لائبریریاں کتابوں سے بھری جا رہی ہیں لیکن سکون کم ہوتا چلا جا رہا ہے‘ مادیت کا جنون چڑیلیں بن کر انسانیت کو چمٹ چکا ہے۔۔۔ اگر یہ کچھ بجا ہے تو یقین جانیۓ یہ آج کسی کل کا نتیجہ ہے اور ہر آج کسی کل کا بیٹا اور بیٹی ہوا کرتا ہے۔ گزرے ہوئے کل اور آنے والے کل کو آج سے صیح طور پر مربوط کرنا ہی انقلاب ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان الفاظ کو آج کے کسی جھروکے میں محاصرانہ حسد کی آہ سرد تصور نہ کرے تو سوچ کر بہت سوچ کر بیسویں صدی کے حوالے سے وقت کے دامن میں بڑی احتیاطیں سجا کر لکھ دوں کہ امام انقلاب اور قائد انقلاب ایسے خوبصورت القاب برصغیر پاک و ہند کے اسی سپوت کو سزاوار ہیں جس کا نام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ چودھویں صدی ہجری کے ایک بے مثل عبقری تھے۔۔۔ آپ کو تیرہ سال کی عمر میں فتویٰ نویسی کی ابتدا کرنے والے نابغہ عظیم ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔۔۔ ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھنے کا اعزاز بھی آپ رکھتے تھے۔۔۔ ایک باعظمت اور

باوقار خاندان سے تعلق کی سعادت حاصل تھی۔۔۔ دینی اور دینوی علوم پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی۔۔۔ طباع اور ذہین شاعر ہونے کی شہرتیں بھی آپ کے حصے میں آئی تھیں۔۔۔ زہد واتقا کے رنگ بھی آپ کی آنکھوں نے دیکھے تھے۔۔۔ عرفان و معرفت کی مے گلگوں نے بھی آپ کی حیات رحمت فروغ میں مستیاں بانٹی تھیں۔۔۔ آپ کے مہم جو قلم وفنون کے ناقابل شکست ابواب کھولے تھے۔۔۔ آپ کی زبان حق آگاہ نے ان گنت ایوانوں میں لرزہ طاری کیا تھا۔۔۔ آپ کی فکر رسا نے بحر بصارت سے انمول موتی اکٹھے کیئے تھے۔ دشت کائنات میں علوم و معارف سے تیز رفتار وسائل احمد رضا کی سواریاں بن کر منزل حسن کو قریب سے قریب تر کرنے میں منہمک تھے۔ احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ بہت کچھ تھے۔ ان کے حسن کی عظمتوں کا بیان نیرنگی اسلوب کے جدید پیکروں میں ڈھل سکتا ہے۔ ان سے عقیدت رکھنے والا قلم بےتاب شوخیوں کے مہ پارے تاریخ کے اوراق میں بکھیر سکتا ہے اور ان کی خوبیاں لکھنے والا مورخ فردوس حسن میں سنابل رحمت اگا سکتا ہے لیکن فی وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم احمد رضا۔۔۔ فاضل احمد رضا۔۔۔ محدث احمد رضا۔۔۔ مفسر احمد رضا۔۔۔ نعت گو احمد رضا۔۔۔ عارف احمد رضا۔۔۔ فقہیہ احمد رضا۔۔۔ محقق احمد رضا۔۔۔ مورخ احمد رضا۔۔۔ کس چشمہ حیات سے فیض یاب ہو چکا تھا جس کی مستیوں نے اسے صاحب نگاہ انقلابی بنا دیا تھا‘ ایسا صاحب نگاہ جس کا سکوت تہور کلام بن گیا۔۔۔ جس کی خانقاہیت اجتماعیت کا شیرازہ ثابت ہوئی جس کی پر صولت آواز سے تاریخ کے بہرے کان کھل گئے۔۔۔ یاد رکھئے! احمد رضا نبی نہیں تھے‘ رسول نہیں تھے‘ صحابی نہیں تھے‘ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ جان کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبوت کے دعویدار کے منہ پر تھوکتے بھی نہیں تھے لیکن اس کے باوجود ان پر افکار عالیہ کا نزول ہوتا تھا۔ انہوں نے خطرات کے سر بستہ رازوں کو بے حجاب دیکھنے کا وسیلہ حاصل کر لیا تھا۔ وہ شبنم کے قطروں میں مقدس آیات کے جلوے دیکھنے والے راہی بن چکے تھے۔ ان کی مہم جوئیوں نے وہ آئینہ حاصل کر لیا تھا جس میں ماضی اور مستقبل دونوں کو بیک وقت دیکھا جا سکتا ہو۔ ان کی محدود زندگی نے معرفت کا وہ مرحلہ طے کر لیا تھا جہاں رنگ بے رنگ‘ جانیں بے جان‘ زمان اور مکاں لامکاں دکھائی دیتے ہیں۔ عرفان کی دہلیز سے احمد رضا نے اپنی گود میں رحمتوں کے وہ پھول چنے کہ مستانہ وار جھوم جھوم کر اپنے پیچھے آنے والوں کو آواز دی آنے والو! بے حوصلہ نہ ہونا یہی صراط مستقیم ہے‘ یہی منہاج حقیقت ہے‘ اسی سے تسخیر کائنات کی جا سکتی ہے‘ اسی سے دشت مسائل عبور کیا جا سکتا ہے اور پھر پیار سے اپنی مساعی حیات کا ظرف انسانیت کی جھولی میں انڈیل دیا۔ احمد رضا نے کیا دیا اور تاریخ نے کیا دیکھا یہ اہم عنوان ہے جس پر بڑی دقت سے کام ہونا چاہئے۔ امام شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ جس دور میں جی رہے تھے‘ اس دور کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ دماغ اور دل اور عمل کرنے والے اعضا اپنے اصل وظیفہ حیات سے محروم ہو جانے کی بنا پر فاسد ہو چکے تھے۔ اس دور کا منہاج یہی ہو سکتا تھا کہ دل و دماغ اور قوائے عمل صحیح فکر‘ مناسب تعلیم‘ حقیقی عشق اور تقدیر بدل عمل کو منزل بنا کر اپنا رخ اس سمت موڑ دیتے بظاہر یہ تصور حسین اور لطیف ہے لیکن حقیقت میں جبکہ انگریزی دور حکومت نے عربی درسگاہوں کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ مسلمانوں کا اپنے ماضی کی تاریخ سے ارتباط کمزور پڑھ چکا تھا۔ جدید درسگاہوں میں اسلامی روایات کے خلاف طوفان بدتمیزی بپا تھا۔ علما کی ایک خاصی تعداد انگریز کی خوشامد کو اپنا ایمان بنا چکی تھی۔ اسلامی احکام پر ادیبوں کے لہجے معذرت خواہانہ بن چکے تھے۔ اس دور کی صحافت ایک مخصوص دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسے میں احمد رضا ملت کے آنگن میں شبنم کی طرح اترے۔ ان کی فکر بجلیوں کی طرح کوندی‘ ان کی سیرت نے دھنک کی طرح رنگ بانٹے‘ ان کا فیض ساون کی طرح برسا۔ احمد رضا کا انقلابی کام افلاطونی طرز پر تھا‘ نہ ہی ارسطوائی انداز میں ڈھلا تھا بلکہ یہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہو

گا کہ دنیا کے اکثر انقلابی اگر واپس دنیا میں آجائیں تو وہ دیوانہ وار مستانہ وار اپنے ایک ایک کام، ایک ایک بات بلکہ ہر اقدام کو مکرر بجا لائیں اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ سوچا تھا، جو کچھ دیا تھا وہ تلمیذ النفس بن کر نہیں دیا تھا بلکہ ان کی راتیں، ان کے دن اور ان کی سیرت و کردار سب کچھ اس حسن میں ڈھلے تھے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ امام احمد رضا کا عقیدہ انقلاب سادہ سا ہے لیکن اسے تاریخی تسلسل کی نعمت حاصل ہو چکی تھی کہ ایمان کے بغیر ہر وجدان و شعور میں یہ بات حرکی ہمت بن کر راسخ ہو چکی تھی کہ ایمان کے بغیر ہر انقلاب بے جان اور بے روح رہتا ہے۔ احمد رضا کی زبان سے کروڑوں حروف صادر ہوئے۔ احمد رضا کے قلم نے ہزاروں لفظوں کے نقوش نذر قرطاس کئے۔ ان کی زندگی میں لمحے اور گھڑیاں ستارے بن کر چمکے لیکن احمد رضا ایمان کو نہ بھول سکے۔ ان کی انقلابی فکر، جغرافیائی مدو جزر اور نشیب و فراز کو خاطر میں نہیں لاتی بلکہ ان کا ایمان راستے تیار کرتا ہے۔ منزلوں سے ہمکنار کرتا ہے، وطن عطا کرتا ہے، اقتدار کی چابیاں ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ بڑی سادہ سی بات ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ زنی کرنے والوں کے جسم پر میل نہیں رہ سکتی اور تلمیذ رسول کی فکر اور اس کا راستہ غلط نہیں ہو سکتا۔ احمد رضا کا ایمان انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہلیز نور پر رکھتا ہے۔ گویا وہ سلسبیل جنت کے کنارے بستے ہیں اسی لئے ان کا منہاج، منہاج حق ان کی منزل، منزل حسن، ان کی راہ راہ مستقیم اور ان کا مسلک مسلک ربانی رہتا ہے۔ احمد رضا چونکہ رب مصطفٰی کو مانتے ہیں اس لئے ان کی توحید بھی غلطی نہیں کھاتی۔ ان کا الہ جہاں ایک رہتا ہے بے نیاز ہوتا ہے وہاں وہ جھوٹ نہیں بولتا، خلف وعیدہ سے منزہ رہتا ہے۔ بہت سے لوگ اس دنیا میں ایسے ہیں جن کا ایمان بڑا عجیب ہے۔ وہ اللہ کو الہ مانتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بھی مانتے ہیں لیکن ان کی زبان سے اگر چند دھیمے لفظ نکل جائیں اور ان کا قلم آوارہ ہو جائے اور ان کے خیال وادی نیت میں بہک جائیں تو بھی ان کا ایمان ایمان رہتا ہے لیکن احمد رضا گویا پل صراط سے گزر رہے ہوں اور جیسے پل صراط سے بھی وہ اکیلے گزر رہے ہوں اس لئے وہ جسے رب کہتے ہیں منزہ عن العیوب کہتے ہیں اور جسے رسول کہتے ہیں اسے معصوم عن الخطا کہتے ہیں۔ ان کا علم، ان کی صلاحیتیں، ان کی شاعری اور ان کا ادب ان کا قلم اور ان کی زبان پھر اسی عقیدہ کے پرچار کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔

احمد رضا کا ایمان اندر سے خالی ہے وہ محض مابعد الطبیعات اور الہیات کی کتابوں کا انداز نہیں رکھتا۔ ان کے ہاں ایمان کا پیٹ محبت سے خالی ہو تو وہ ڈھول کی تھاپ اور سرنگی کی کیں کیں ہے۔ احمد رضا کے نزدیک انقلاب کا جوہر حقیقی محبت اور عشق ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کارگاہ حیات کا نظم محبت سے ہے، محبت نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہ ہو۔ یہ رنگ تعمیر بھی ہے اور آہنگ معمار بھی۔ اگر حسن میں ناز اور جمال میں بانکپن ہے تو وہ بھی اسی لئے کہ کوئی چاہے اور اور کوئی محبت کرے گویا پھولوں کی لطافت، روشنیوں کی چمک، چمنستانوں کی آرائش، آسمانوں کی پنہائی سب کچھ محبت کا تڑپتا اظہار ہے۔ ریاضت، سجدے، رکوع اور سعی و طواف سب محبت ہی کی بے تابیاں ہیں۔ احمد رضا نے محبت کے اس جوہر انقلاب تک رسائی حاصل کر لی تھی اس لئے محبت کرتے بھی تھے اور محبت کی دعوت بھی دیتے تھے۔ ان کی حدائق بخشش، ان کا فتاویٰ رضویہ، ان کے رسائل اور ان کی سینکڑوں کتابیں اس جذبہ صادقہ کو مہمیز لگاتی نظر آتی ہیں۔ اس عشق کی پائیدار قدروں نے زندگی کو احمد رضا کے ہاں اتنا مقدس بنا دیا کہ عشق رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین زندگی رشک آیات نظر آتی ہیں۔ احمد رضا رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار بھی دیکھتے ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ ان کی نگاہیں قلب پر رہتی ہیں۔ وہ ایک ادائے رحمت سے کرم کا فن ملاحظہ کرتے رہتے ہیں اور یہ ادائے دلنواز انہیں اس کاروان نور میں لا کھڑا کرتی ہے جہاں امن اور پیار، حسن اور سلامتی کے قاسم عبد القادر جیلانی، حسن بصری، جلال

الدین سیوطی اور خواجہ غریب نواز کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ انقلاب کے وہ داعین جو انسانیت کے دائروں میں بارود ' دھواں ' کالک ' وحشت۔ خون اور انسانی بوٹیاں تقسیم کر رہے ہیں کیا ان کے لئے احمد رضا کی محبت ' عشق ' لگن اور غلامی رسول مشعل راہ ثابت نہیں ہوتی ؟

ممکن ہے احمد رضا سے بعض حلقوں کو شدت مزاجی کا شکوہ ہو لیکن انہیں جاننا چاہئے کہ کلمہ طیبہ بھی الا اللہ کے اثبات سے پہلے " لا الہ " کی نفی سے شروع ہوتا ہے۔ نفرت محبت کا دوسرا عکس ہوتی ہے جس کو محبوب کے دشمن سے دشمنی کرنی نہیں آتی وہ اپنی محبت ہی میں کھوٹا ہوا کرتا ہے۔ احمد رضا سچے تھے ' کوئی حلقہ اگر ان کا قصور یہ سمجھتا ہے کہ وہ دودھ میں مکھیاں ڈالنے والوں کو طہارت کی سند کیوں نہیں دیتے۔ آفتاب کے سامنے اپنے بدبودار ہاتھ رکھ کر اسے بے نوری کا الزام دینے والوں کو ماہ کامل کا لقب کیوں نہیں دیتے اور اپنی ناک سے گندگی گھسیٹنے والے کیڑوں کو رشک جگنو نہیں مانتے تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ احمد رضا کی مجبوری ہے کہ وہ سچے ہیں ' ان سے ہو نہیں سکتا کہ وہ جھوٹوں کے بحر ظلمات میں اپنے آپ کو اٹھا پھینکیں تاریخ کو یہ کڑوا گھونٹ کسی وقت اپنے گلے سے اتارنا ہی پڑے گا کہ تسلیمہ نسرین اور رشدی سے محبت کا مطلب ابو بکر صدیق ' عمر ' عثمان اور علی سے نفرت ہوا کرتی ہے۔ احمد رضا بہت میٹھے اور اونچے بندے تھے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور گستاخی کرنے والوں کو کبھی معافی تصور نہ فرمایا۔ دین کا مسلمہ اصول ہے ' کہ تکبر کرنے والے سے تکبر صدقہ ہوا کرتا ہے۔ الجھنے والوں سے نہ الجھنا یہ بزدلی ہوا کرتی ہے اور پھر خود سوچئے جو جان کائنات سے الجھے اسے دور جدید کا لیبرل ازم ممکن ہے معاف کر دے لیکن احمد رضا نے تو سرخ سامراج اور نہ سفید ظلمتوں ' کسی سے ڈالر اور پونڈ نہیں لئے تھے اس مظلوم تاریخ کا جرم فقط اتنا تھا کہ اس کا یہ عقیدہ محکم تھا۔

کروں مدح اہل دول رضا
پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا
میرا دین پارہ ناں نہیں

ایمان و محبت کے بعد نبوی منہاج انقلاب کی دوسری بنیاد تعلیم اور علم ہے۔ جتنا بڑا انقلابی ہو گا اس کا تعلق علم اور تعلیم سے اتنا ہی زیادہ گہرا ہو گا۔ قرآن مجید کا پہلا پیغام " اقرا " اس راز سے پردہ ہٹا کر مسلمانوں میں ترویج علم کی طرح ڈالتا ہے۔ یاد رکھئے علم ڈگریوں کا نام نہیں ' علم وافر معلومات اکٹھی کر دینے کا نام نہیں وگرنہ کمپیوٹر کو سب سے بڑا فاضل ماننا پڑے گا۔ علم صرف یادداشتیں محفوظ رکھنے کا نام بھی نہیں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ سچا علم لائبریری اور مطالعہ ہر دو سے بے نیاز ہوتا ہے۔ حقیقی علم کسی ایسی ذات کے سامنے اپنے آپ کو مشاہدہ کے لئے وقف کر دینا ہوتا ہے جہاں پائیدار کردار کی تدوین جنم دی جاتی ہو۔ احمد رضا کو یہ نعمت میسر تھی آپ جانتے تھے کہ زندگی کا حسن بدلنا ہوتا ہے اور کتاب کا حسن نہ بدلنا ہوتا ہے ' ان دونوں میں اتصال کوئی ایسی ذات ہی پیدا کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں زندگی بھی ہو ' علم بھی ہو اور علم کا خزانہ بھی وہ رکھتا ہو۔ احمد رضا علم میں اس لئے بہت آگے بڑھ گئے کہ ان کے علم کا استاد عشق رسول ٹھہرا ان کی کتابوں میں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنیوں نے انہیں وہ دوام عطا کر دیا ہے کہ وہ رہتی دنیا تک دعوت انقلاب دیتی رہیں گی۔

* * *